قیمت سالانہ
تین روپیہ
ایک پرچہ
تین آنہ
تاریخ اشاعت
۱-۸-۱۵-۲۲

انجمن ترقی اردو ہند
کا
ہفتہ وار اخبار

رجسٹرڈ نمبر
اے ۹۲۲
ٹیلیفون نمبر ۱۹
تار کا پتہ
"انجمن"
علی گڑھ

ہماری زبان

ایڈیٹر :- آل احمد سرور

جلد ۱۶ | علیگڈھ - یکم فروری ۱۹۵۷ ع | شمارہ ۵

رفتار

خلیل الرحمن اعظمی

اردو شاعری میں میر کی اہمیت کا اعتراف تو غالباً سب کو ہے اور بہت سے لوگ تو میر کو اپنا محبوب شاعر کہتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ میر نے اردو کے تنقید نگاروں کو بہت کم متاثر کیا ہے۔ میر کو مجنوں گورکھپوری نے اردو شاعری کا "خدا" کہا ہے۔ ہو سکتا ہے میر سے یہی مرعوبیت انھیں ایک بھاری پتھر بنا دیتی ہو جسے صرف چوم لینا کافی ہے۔ ایک زمانے میں تو میر کا کلیات بھی ٹھکانے کا چھپا ہوا نہیں ملتا تھا اور کسی کی نظر بھی اس طرف نہ جاتی تھی کہ اسے باقاعدہ ایڈٹ کرے اور کتابت کی غلطیاں درست کرے۔ غالباً مرزا یگانہ چنگیزی مرحوم پہلے آدمی ہیں جنھوں نے رسالہ "زمانہ" کانپور میں ایک طویل مضمون کے ذریعہ اس امر کی طرف توجہ دلائی تھی اور اپنے ذوق اور میر کے مزاج کو ملحوظ رکھتے ہوئے بہت سے اشعار کی تصحیح فرمائی تھی۔ اس کے بعد عبدالباری آسی مرحوم نے از سر نو کلیات میر کی تدوین کی اور اس وقت تک غالباً یہی سب سے مستند نسخہ ہے۔ ابھی کچھ دن پہلے یہ حال تھا کہ اردو ادب کے طالب علموں کو جب میر سے متعلق کچھ تنقیدی مواد کی تلاش ہوتی تھی تو انھیں مجنوں گورکھپوری کا ایک مضمون اور مولوی عبدالحق صاحب کے انتخاب میر کا مقدمہ بس یہی دو چیزیں ملتی تھیں۔ مولوی عبدالحق صاحب کا مقدمہ اچھا ہے لیکن وہ جدید تقاضوں کو پورا نہیں کرتا اور نہ ہی اس میں میر کی شخصیت یا شاعری سے متعلق مولوی صاحب گہرائی میں گئے ہیں۔ انتخاب تو اور بھی تشنہ اور جانبداری میں کیا ہوا ہے۔ اسی زمانے کا ایک انتخاب نورالحسن صاحب کا ہے جسے مکتبہ جامعہ نے شائع کیا تھا۔ یہ میر سے زیادہ نورالحسن صاحب کی نمائندگی کرتا ہے۔ کیونکہ یہ ان کے پسندیدہ اشعار کا مجموعہ معلوم ہوتا ہے ہمارے پرانے بزرگوں میں میر کے کلام کو غور سے پڑھنے اور اس کی تہوں تک جانے کی اگر کسی نے کوشش کی ہے تو وہ بلاشبہ حضرت اثر لکھنوی ہیں۔ انھوں نے دو جلدوں میں میر کا ایک وسیع انتخاب "مزامیر" کے نام سے شائع کیا تھا جس میں ان کا طویل مقدمہ اور ڈاکٹر امرناتھ جھا کے ایک انگریزی مقالے کا ترجمہ بھی شامل ہے۔ اثر صاحب وقتاً فوقتاً رسالوں میں میر سے متعلق مضامین بھی لکھتے رہتے ہیں اگرچہ وہ ناقد سے زیادہ میر کے پرستار ہیں اور ان کے لہجے میں بھی وکالت کا رنگ غالب ہے پھر بھی میر شناسی کے سلسلے میں ان کی خدمات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

چند سال پہلے میر پر ایک تفصیلی کتاب "میر تقی میر، حیات اور شاعری" کے عنوان سے خواجہ احمد فاروقی کی لکھی ہوئی انجمن ترقی اردو نے شائع کی ہے یہ کتاب ۶۲۲ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی قیمت بارہ روپے ہے۔ پہلی نظر میں تو ہمیں بہت مسرت ہوتی ہے کہ چلئے میر پر ایک کام تو ہوا لیکن جوں جوں ہم کتاب پڑھتے جاتے ہیں ہم پر ایک مایوسی کی کیفیت طاری ہوتی ہے اور کتاب ختم ہونے کے بعد فوراً

دلی مرحوم ذہن میں آتا ہے جواب کافی پامال ہوچکا ہے یعنی

؎ اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

خواجہ صاحب نے اس کتاب کے لکھنے میں یقیناً محنت کی ہوگی اور ان کی عرق ریزی کی داد نہ دینا ظلم ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ انھوں نے ان امور پر زیادہ محنت کی جن پر اتنی تفصیل کی ضرورت نہیں تھی۔ مثلاً اس زمانے کے تمام تاریخی حالات کو تاریخی کتابوں سے من و عن نقل کرنے کی ضرورت نہیں تھی، ان کا خلاصہ، ان کی طرف اشارے اور میر کی شخصیت یا فن پر ان کا جو کچھ اثر پڑا ہے ان کا تجزیہ کافی تھا۔ دراصل ضرورت اس بات کی تھی کہ جدید تنقیدی اصولوں پر میر کے شاعرانہ مزاج اور ان کے فن کو پرکھا جاتا لیکن جب ہم خواجہ صاحب کی کتاب میں فن کی منزل پر پہنچتے ہیں تو بار بار ہر دو تین صفحے کے بعد محض ایک فقرے کی تکرار ملتی ہے "میر کے یہاں دل اور دلی کا مرثیہ ہے"۔ خواجہ صاحب کی کتاب کا جو تحقیقی حصہ ہے اس کے نقائص اور اغلاط کی تفصیل معلوم کرنی ہو تو قاضی عبدالودود صاحب کا تبصرہ "معاصر" میں پڑھئے۔ جو اتنی صفحات پر پھیلا ہوا ہے لیکن تنقیدی حیثیت سے بھی یہ کتاب آج کے مطالبے کو پورا نہیں کرتی۔ جو مواد خواجہ صاحب نے اپنی کتاب میں دیا ہے اسے بھی اگر سلیقے کے ساتھ پیش کیا جاتا تو آسانی سے ڈھائی تین سو صفحے کی ایک کتاب ہو سکتی تھی۔

میر کی شخصیت اور ان کے فن کی اندرونی تہوں تک پہنچنے کی کوشش کچھ دنوں سے نئے تنقید نگاروں نے کی ہے اور میر کے سلسلے میں یہی چیزیں جاندار کہی جا سکتی ہیں۔ ان میں سب سے پہلا نام ڈاکٹر سید عبداللہ کا ہے۔ میر کے سلسلے میں ان کے تقریباً ایک درجن مضامین شائع ہو چکے ہیں اور ان کے ہر ہر پہلو کا انھوں نے ایسا تجزیہ کیا ہے کہ بے اختیار داد دینی پڑتی ہے۔ ان کے مجموعہ مضامین "بحث و نظر" میں جو مضامین ہیں ان کے علاوہ یہ مضامین بھی پڑھنے کے قابل ہیں۔ (۱) میر اور نیرنگ فطرت (ماہ نو) (۲) میر کے قبول عام کی بنیادیں (اردو) (۳) میر تقی میر اور نقاش کا فن (ادب لطیف) (۴) میر کے ادھورے گیت (نئی تحریریں) آخری مضمون ابھی حال کا ہے۔ اس میں انھوں نے میر کے ہندستانی مزاج کا تجزیہ کیا ہے اور بعض ایسی چیزوں کی طرف توجہ دلائی ہے جن پر ابھی تک کسی کی نگاہ نہیں گئی تھی۔

محمد حسن عسکری اردو کے نئے ادیبوں میں کافی نکو ہیں لیکن ایمان کی بات یہ ہے کہ انھوں نے میر کو سلیقے سے پڑھا ہے۔ میر پر ان کا سب سے پہلا مضمون "میر جی" جون ۱۹۴۵ء کے ساقی میں شائع ہوا تھا اس کے بعد "میر اور نئی غزل" کے عنوان سے بھی انھوں نے ایک مضمون لکھا جو ان کے مجموعہ مضامین "انسان اور آدمی" میں شامل ہے۔ عسکری کے زاویہ نظر سے کسی کو اختلاف ہو لیکن اردو شاعری کے وہ بڑے اچھے پارکھ ہیں اور ان کا ذوق شعر اعتماد کے لائق ہے۔ اسی لئے امید ہے کہ ان کا مرتب کیا ہوا میر کا انتخاب جو مکتبہ جدید لاہور سے شائع ہونے والا ہے خاصے کی چیز ہوگا۔

پروفیسر حسنی حیدر دانش نے بھی میر پر کچھ کام کیا ہے اور اس سلسلے میں ان کے کئی ایک مضمون "ادب لطیف" اور دوسرے رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہ مضامین بھی میر کی تنقید کے سلسلے میں ایک اچھا اضافہ ہے۔ اس سلسلے میں نصیر احمد ناز کا طویل مضمون "آدھ گھنٹے میر کے ساتھ" بھی آتا ہے جو "ادبی دنیا" میں شائع ہوا تھا۔

الہ آباد یونیورسٹی کے پروفیسر مسیح الزماں نے میر کے مرثیوں پر کچھ کام کیا ہے اور اسی یونیورسٹی کے ڈاکٹر رفیق حسین نے ایک مضمون "اردو ادب" میں لکھا تھا جس کا عنوان ہے "میر تقی میر کے کلام میں ترقی پسندی کی جھلکیاں"

بالکل نئی نسل کے نقطہ نظر سے میر کا مطالعہ انتظار حسین اور ناصر کاظمی نے کیا ہے ان دونوں حضرات کے درمیان جو مکالمہ ہوا تھا وہ "دھواں سا ہے کچھ اس نگر کی طرف" کے عنوان سے ستمبر ۱۹۵۲ء کے "ماہ نو" میں شائع ہوا تھا۔ ان دونوں ادیبوں نے میر کے انسانی لب و لہجے اور ان کی ارضیت کی طرف خاص طور سے توجہ دلائی ہے۔ ناصر کاظمی نے ایک طویل مضمون بھی میر پر لکھا ہے جو "سویرا" میں شائع ہونے والا ہے

ان کے علاوہ نئے تنقیدی زاویوں سے میر کا جن لوگوں نے مطالعہ کیا ہے ان میں ریاض احمد کے مضامین جو "راوی" "گورنمنٹ کالج لاہور" میں شائع ہوئے۔ عمیم رضوی کا مضمون "میر کا عشق" (برگ گل) اور ڈاکٹر محمد حسن کا "میر کا درد" (ادب لطیف) خاص طور سے پڑھنے کے قابل ہیں

(بقیہ ص ۱۲ پر دیکھئے)

ہماری زبان

یکم فروری ۱۹۵۷ء

مشاعروں کی اصلاح

یہ مشاعروں کا زمانہ ہے۔ کوئی تہوار ہو یا جشن، نمائش ہو یا سالانہ تقریب، اس موقع پر مشاعرہ بھی ضرور ہوتا ہے۔ چند شعرا ایک مشاعرے سے دوسرے مشاعرے تک زندگی گزارتے ہیں۔ ہزاروں کا خرچ ہوتا ہے۔ داد بھی ہوتی ہے اور بیداد بھی۔ مشاعروں میں صدر کا انتخاب شعرا سیاسی یا سرکاری نقطہ نظر سے کیا جاتا ہے۔ مقبول شعرا کے کلام پر خوب واہ واہ ہوتی ہے۔ وہ بھی نیا کلام نہیں سناتے وہی "اگلے برس کی تیلیاں" ہر جگہ نظر آتی ہیں۔ مشاعروں میں شرکت کے بعد ایک سنجیدہ طبیعت پر خوشی اثر اچھا نہیں ہوتا۔ شعرا ایک رواتی چکر میں گرفتار ہیں۔ سننے والے شعر پر توجہ نہیں کرتے، گلے بازی کو پسند کرتے ہیں۔ شعرا کی پارٹیاں ہیں۔ کچھ لوگ محفل میں ایک دوسرے پر فقرے کستے ہیں۔ کبھی کبھار ہاتھا پائی کی نوبت بھی آجاتی ہے۔ ایسے بھی شاعر ہیں جو مشاعرے میں اپنی بدستی سے سامعین کو بدحظ کرتے ہیں۔ سننے والوں کا یہ حال ہے کہ اچھا شعر تو درکنار بعض اوقات فارسی کی معمولی ترکیب نہیں سمجھتے، بقول جوشؔ "دستی مال" پسند کرتے ہیں۔

یہ سلسلہ کب تک چلے گا اور اگر چلتا رہے گا تو اس سے زبان و ادب کی کیا خدمت ہوگی۔ ہم مشاعروں کے خلاف نہیں ہیں۔ شاعر اور اس کے حلقے کے درمیان ارتباط کا یہ ذریعہ ابلاغ کا یہ وسیلہ، اردو زبان کی ایک خصوصیت ہے اس خصوصیت کو مسخ کرنے سے زبان و ادب کا نقصان ہوگا۔ اس کے تفریحی پہلو سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، بشرطیکہ تفریح بدمذاقی نہ بن جائے۔

پہلی بات ہمیں شاعروں سے کہنا ہے۔ انھیں صرف مشاعروں کو اپنی روزی کا ذریعہ نہیں بنانا چاہئے کسی اور سماجی، ادبی یا تہذیبی کام میں شریک ہونا چاہئے اس سے ان کا تجربہ وسیع ہوگا۔ اپنے خول سے باہر نکلنے کا موقع ملے گا وہ منتظمین مشاعرہ کی مصلحتوں کے اتنے شکار نہ ہوں گے۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ اب ہزاروں کے مجمع میں فارسی آمیز زبان جاننے والوں کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہوتی۔ انھیں ایسی زبان استعمال کرنا چاہئے جو زیادہ عام فہم ہو۔ شاعری نہ صرف فارسی آمیز زبان میں ہے نہ صرف ہندی آمیز زبان میں۔ ہاں دونوں میں اچھی شاعری ممکن ہے بشرطیکہ شاعر میں تخیل، احساس اور قدرت بیان ہو اور اس کے تجربات محدود نہیں متنوع ہوں۔ ہندی کے شاعر آج سنسکرت کے چکر سے آزاد ہو رہے ہیں۔ شاعری کی زبان میں کلاسیکی زبانوں کا اثر ناگزیر ہے مگر کلاسیکل زبانوں کی غلامی جدید زبانوں کے لئے مضر ہے۔ اس لئے جدید زبان کے شاعروں کو اپنے دور کی زبان استعمال کرنا چاہئے۔ اس کے باوجود ایک معیار اور فن کا لحاظ ممکن ہے۔

پھر ہمارے شعرا کو موضوعات سخن میں بھی وسعت پیدا کرنا چاہئے غزل میں سیاسی اور اخلاقی مضامین بیان کرنا یا اپنی خودی اور دوسروں کی سرشاری کی طرف اشارہ کرنا کافی نہیں ہے۔ شعرا کے علم میں وسعت، مطالعے میں گہرائی اور تجربات میں جان ہوگی تو وہ زندگی کے ہر موضوع کو شاعرانہ طور پر بیان کر سکیں گے۔ ہندستان میں اردو کا شاعر یا تو آج اپنے کو دہرا رہا ہے یا سستے سیاسی خیالات کی تبلیغ کرتا ہے حقیقی شاعری کا مطالبہ اس سے زیادہ ہے۔ دریا سے موتی نکالنے کے لئے تہ تک جانا پڑتا ہے۔

دوسری بات ہمیں ان لوگوں سے کہنا ہے جو مشاعرے منعقد کرتے ہیں۔ شاعری کو اپنی سرکاری یا انتظامی یا ذاتی مصلحتوں کا آلۂ کار نہ بنائیے۔ وزیروں یا افسروں یا اُمرا کو صدر بنانے سے کچھ لوگوں کے مقاصد ممکن ہے بر آئیں مگر شاعری کی کوئی خدمت نہیں ہوتی۔ صدر بننے کا انھیں کو حق ہے جو یا تو شاعر ہیں یا نقاد ہیں یا اپنی علمی و ادبی حیثیت کی وجہ سے ممتاز ہیں۔ مشاعرے کی کامیابی پر اس کا بڑا اثر ہوتا ہے کہ صدر خود مشاعرے میں کس طرح حصہ لیتا ہے۔ وہ محض مسند کی زینت ہے یا مشاعرے کا رخ بھی موڑ سکتا ہے۔ شعرا اس سے مخاطب ہیں یا محض ایک دوسرے سے یا سامعین سے۔ بڑے مشاعروں میں شعرا کی تعداد انتہائی ہوتی ان کی تعداد زیادہ کارگر ہوتی ہے۔ تیس چالیس ادنیٰ درجے کے اور تین چار اچھے شاعر مشاعرے کو کامیاب نہیں بنا سکتے بلکہ جن کو سننا چاہتے ہیں ان کے لئے بہت زیادہ انتظار نہیں کر سکتے کیا ضرور ہے کہ ہر مشاعرہ ۹ بجے شب سے چار بجے صبح تک چلے موجودہ دور کی مصروف زندگی میں مشاعرے تین گھنٹے سے زیادہ نہ ہوں تو اچھا ہے بڑے مشاعروں میں دس بارہ قابل ذکر شاعر کافی ہیں وہ اگر بار بار بھی سنائیں تو لوگ اکتاتے نہیں۔ مشاعرے کی نشست اگر

اس طرح ہو کر مشاعرہ کے سامنے دوسرے شعرا اور سخن فہم حضرات ہوں تو شعر کو سنانے میں لطف آتا ہے اور ان کے تاثرات عام سامعین تک مناسب طور پر پہنچتے ہیں۔ نشست پر معمولی توجہ سے مشاعرے کامیاب ہو سکتے ہیں۔

مشاعرے ادبی ادارے بھی ہیں اور تہذیبی ادارے بھی ہماری تہذیب کی جو صالح روایات ہیں ان کو برتنا ضروری ہے۔ اگر شاعر خود جادۂ تہذیب سے ہٹ جائے تو سامعین سے کیا امید رکھی جا سکتی ہے۔

ہر اچھا کام تمام عناصر کے اشتراک اور تعاون سے ہوتا ہے۔ مشاعروں میں جو ہڑبونگ ہوتی ہے اس سے اردو زبان و ادب کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ ابھی وقت ہے کہ اصلاح ہو سکے ورنہ اندیشہ ہے کہ سنجیدہ اشخاص مشاعروں کا نام سن کر کانوں پر ہاتھ رکھنے لگیں گے۔

یہ کتابیں ملیں

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں

۱۔ **مولانا شبلی** :۔ تصنیف :۔ سعید انصاری

ناشر :۔ دانا ظریک ایجنسی لکھنؤ۔ حجم ۲۰×۳۰/۱۶ ص ۱۸

کاغذ اچھا۔ قیمت ۱/۸ روپے

۲۔ **خسرو کی پہیلیاں** مرتبہ :۔ شاہین ظفر علوی

ناشر :۔ ان ظریک ایجنسی لکھنؤ حجم ۲۰×۳۰/۱۶ ص ۵۲

کاغذ اچھا۔ قیمت آٹھ آنے

۳۔ **زہر عشق** (ہندی رسم خط)

تصنیف :۔ مرزا شوق لکھنوی

ناشر :۔ ادبی پبلشرز بمبئی ۸ حجم ۲۰×۳۰/۱۶ ص ۹۲

کاغذ عمدہ قیمت دو روپے چار آنے

۴۔ **عالم خیال** (ہندی رسم خط)

تصنیف :۔ شوق قدوائی

ناشر :۔ ادبی پبلشرز بمبئی ۸ حجم ۲۰×۳۰/۱۶ ص ۹۵

کاغذ عمدہ۔ قیمت ایک روپیہ ۱۲ آنے

۵۔ **مثنوی چھیپسر نامہ** مصنف :۔ اوراکی بیگلار

ناشر :۔ سندھی ادبی بورڈ۔ کراچی

حجم ۲۰×۳۰/۸

کاغذ اچھا۔ قیمت ۳/۸ روپے

اُردو لغت

نثار احمد صاحب فاروقی، دہلی

"ہماری زبان" اب ایک ایسا معیاری ہفتہ وار بن گیا ہے جو اردو زبان اور اس کی رفتار کے بارے میں تازہ ترین معلومات بہم پہنچانے والا واحد اخبار کہا جا سکتا ہے۔ غالب کی طرح میں بھی کبھی سے سخت نفرت کرتا ہوں اور "خوشا مخلص" کو "اسپ تازی" کبھی نہیں کہتا۔ یہ جو کچھ لکھا، بیان واقعہ ہے، حقیقت ہے اور اظہار شہادت ہے آپ کی خدمات پر۔ جس نے انجمن کو "انجمن" بنا دیا ہے اور یہ امید بندھ گئی ہے کہ اب کام اطمینان بخش طریقے سے ہوگا۔

اغلی کی "رفتار" بڑی سرپٹ ہے ایک ہی خرام ناز سے انھوں نے بہتوں کو پسپا کر دیا ان سے کہنا ہے کہ

زیر قدمت ہزار جان است!

بہر حال خوب بہت خوب۔ نہایت دلچسپ اور معلومات آفریں رفتار ہے۔ ذا کی تلخی مجھے اور بھی زیادہ بھاتی ہے خدا جانے اس کا نفسیاتی سبب کیا ہے! لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر سچی بات کو خوشامدانہ لہجے میں کہا جائے تو وہ "حق" سے زیادہ "خوشامد" بن جاتی ہے۔

اردو کی لغت ضرور شائع ہونی چاہئے۔ میں بھی اس کا ممبر بن جاؤں گا اور اپنے دوسرے بہت سے احباب کو آمادہ کروں گا یہ کام فوراً شروع ہونا چاہئے۔ فرہنگ آصفیہ کی تلاش میں ۲ مہینے سرگرداں رہا، تب کہیں جا کر بڑی قیمت میں ملی۔ نور اللغات تو ملتا ہے۔ جامع اللغات پاکستان میں چھپ رہی ہے وہ ہندستان کے مارکیٹ کی ضرورت کو پورا نہ کر سکے گی۔ اس سلسلے میں مکمل اسکیم تیار ہو جائے تو ممبر سازی کا کام شروع کر دیجئے۔

جناب گوپی چند نارنگ، دہلی

انجمن نے اردو لغت شائع کرنے کا جو ارادہ کیا ہے وہ لائق ستائش ہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب نے صحیح فرمایا ہے کہ "قاموس الادب" کی اشاعت بھی مدنظر رہنی چاہئے لیکن اردو لغت کا کام بھی "ہفت خواں" طے کرنے سے کم نہیں۔ اس سلسلے میں مزید تفصیلات "ہماری زبان" میں شائع کی جائیں اور یہ بھی بتایا جائے کہ سو روپے کتنی برابر قسطوں میں کب سے بھیجنا شروع کئے جائیں۔

انجمن کی خبریں

بلند شہر (یوپی) انجمن ترقی اردو شاخ بلند شہر کا ایک جلسہ سکریٹری انجمن ہذا حضرت سید محمد خضر برنی کی صدارت میں یکم فروری ۱۹۵۷ء کو منعقد ہوگا جس کا پروگرام اس طرح ہے۔

(۱) گزشتہ ماہ مرکزی انجمن کے جنرل سکریٹری صاحب کا ایک گرامی نامہ موصول ہوا تھا جس میں ہفت روزہ "ہماری زبان" کی توسیع اشاعت کے متعلق تحریر تھا لہٰذا اس جلسے میں غور کیا جائے گا اور پچاس پرچے حامیانِ اردو میں تقسیم کئے جائیں گے۔

(۲) محترم حیات اللہ انصاری کی "دس دن میں اردو" طریقۂ تعلیم پر غور کیا جائے گا۔

(۳) انجمن ترقی اردو کے زیر اہتمام "انعامی تحریری مقابلہ" پر بھی غور کیا جائے گا۔

(۴) "اردو کانفرنس" اور "آل انڈیا مشاعرہ" پر بھی بحث کی جائے گی۔

مذکورہ بالا مشاورے کے علاوہ بھی دیگر مسائل زیر بحث ہوں گے۔ (نظر برنی آنس انچارج)

جے پور (راجستھان) جے پور ۲۰ جنوری۔ آج انجمن ترقی اردو شاخ راجستھان کا ایک وفد جس میں حسب ذیل اصحاب شامل تھے شری رتن چند ماتھر انسپکٹر آف اسکولس جے پور سے اُن کی قیام گاہ پر ملا اور شہر جے پور کے ۷۷۲ طلبہ کی دستخطی درخواستیں اپنی چٹھی اور گورنمنٹ راجستھان کے جاری کردہ حکم متعلق اجرائے تعلیم اردو کی نقل کے ساتھ پیش کرکے اردو کی تعلیم کے اجرا، لائبریریوں میں اردو کی کتابوں کی بہم رسانی، کورس کی کتابوں کی نامزدگی (واضح ہو کہ درجہ ششم سے اردو کو بہ حیثیت اختیاری مضمون تو تسلیم کر لیا گیا ہے مگر سلیبس میں اردو کی کتابوں کے نام غائب ہیں) کی بابت تفصیلی گفتگو تقریباً دو گھنٹے تک کی اور ہر پہلو پر بخوبی روشنی ڈالی۔ انسپکٹر صاحب نے ہمدردانہ توجہ کی اور اطمینان دلایا کہ آنے والے سیشن میں گورنمنٹ راجستھان کے احکام کے مطابق ضرور انتظام کردیا جائے گا اور اس سلسلے میں جو دقتیں حائل ہیں ان پر قابو پا لیا جائے گا۔

اسمائے ارکان وفد

(۱) ماسٹر نند لال صاحب نگم ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر مہاراجہ ہائی اسکول جے پور۔ صدر انجمن ترقی اردو جے پور

(۲) پروفیسر محمد حامی الدین خاں صاحب ہیڈ ماسٹر مسلم ہائی اسکول جے پور۔ (۳) مولوی احترام الدین احمد صاحب شاغل جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو راجستھان)

(۴) محمد سراج الحق صاحب بی۔ اے سکریٹری انجمن ترقی اردو جے پور (۵) منشی عبدالواسع صاحب ریٹائرڈ کورٹ سب انسپکٹر جے پور۔ (نامہ نگار)

ہانسوٹ (ضلع بھروچ) گجرات ۸ جنوری کو جمعدار صاحب کے بنگلے پر مولانا غلام محمد عربک ٹیچر اینگلو اردو ہائی اسکول کی زیر صدارت ایک میٹنگ ہوئی۔ جناب صدر، جناب شاہد رشید اور جناب عبدالمجید رند نے اردو کے متعلق تقریریں کیں۔

جناب صہبا گجی نے انجمن کے مقاصد پر روشنی ڈالی تقاریر کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد ایڈہاک کمیٹی بنائی گئی جس نے دوسرے ہی دن سے ممبر بنانے کی مہم شروع کردی اور ۲۱ جنوری تک ۰۰ ممبر بنائے گئے۔

۲۱ جنوری کی رات کو جناب اے ایم ٹیلر بی۔ اے بینگ کی زیر صدارت عام جلسہ ہوا اور عہدے داروں کا انتخاب کیا گیا جلسے میں ممبروں سے اپیل کی گئی کہ وہ عہدے داروں کی انجمن کے زیادہ سے زیادہ ممبر بنانے میں مدد کریں کیونکہ انجمن اسی وقت کامیابی سے چلائی جا سکتی ہے جب کہ اس کے ممبر کافی ہوں۔

انتخابی کارروائی کے بعد چھوٹا سا مشاعرہ منعقد ہوا جس میں مقامی شعرا رند، صہبا گجی، بیزار، آزر، منصور، ظریف، کے علاوہ طالب بھروچی نے حاضرین کو اپنے کلام سے نوازا۔

عہدیدار :- صدر :- جناب عبدالمجید رند

سکریٹری :- جناب صہبا گجی۔ خازن :- جناب غلام محمد کاڈگا۔

ممبران مجلس انتظامیہ :- (۱) جناب شاہد رشید (۲) جناب اے۔ ایم ٹیلر، (۳) جناب ایس۔ اے رحمان (۴) جناب مختیار احمد چاچا (۵) جناب رسول حسین جمعدار (۶) جناب غلام رسول ماسٹر (۷) جناب عبداللہ بنگلہ والا (۸) جناب شیخ عبدالغنی عباسی (۹) جناب عثمان غنی پٹیل (۱۰) جناب غلام رسول پالا۔

مرکزی انجمن کے جلسے انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ کی مجلس عام مجلس عاملہ اور ادبی کمیٹی کے جلسے آوار ۱۰ فروری ۵۷ء کو انجمن کے دفتر سلطان جہاں منزل علی گڑھ میں منعقد ہو رہے ہیں۔ اراکین کی خدمت میں دعوت نامے بھیج دئے گئے ہیں۔

اردو دنیا

بلند شہر میں مشاعرہ

۲۰ جنوری ۱۹۵۷ء کی شب کو ڈی، اے، وی ڈگری کالج بلند شہر میں ایک مشاعرہ منعقد ہوا جس میں ہندستان کے علاوہ پاکستان کے شعراء نے بھی شرکت فرمائی۔

نامہ نگار

اعجاز صدیقی کی نظم کا اعزاز

"سیریڈون" بنانے والوں کی طرف سے پیش کردہ "قدم ملا کے چلو" گیت مقابلے میں ۱۵۔ جنوری ۱۹۵۷ء کو شام کے ساڑھے چار بجے ایک مخصوص اور بڑے اجتماع میں اردو کے مشہور شاعر و ادیب اعجاز صدیقی مدیر ماہنامہ شاعر بمبئی کو ان کی نظم پر ایک ہزار روپیہ کی گرانقدر رقم پیش کی گئی۔ یہ اجتماع سی، سی، آئی کلب کی گورنر پویلین میں منعقد ہوا تھا۔

اس مقابلے میں اردو اور ہندی زبانوں کے ایک ہزار تین سو نوے (۱۳۹۰) شعراء نے شرکت کی اور ایک ہزار پانچ سو اکہتر (۱۵۷۱) نظمیں وصول ہوئیں۔ کئی ہفتے کے غور و فکر کے بعد ان میں سے ۱۲ بہترین نظمیں منتخب کر کے مجبوراً صورت میں شعرا کے ناموں کے بغیر کھلے جلسے میں جیوری کے سامنے مذکورہ تاریخ کو پیش کی گئیں۔ مسٹر منوہر مُلّی نے باری باری سے ان بارہ نظموں کو تحت اللفظ پڑھ کر حاضرین اور جیوری کو سنایا۔ اس کے بعد جیوری نے اپنے اپنے طور پر ہر نظم پر غور کیا اور اعجاز صدیقی کی نظم کو سب سے بہتر قرار دیا۔

جیوری میں مسٹر مصطفےٰ فقیہہ نائب وزیر حکومت بمبئی علامہ اشبیلی۔ جناب عبدالحمید انصاری ایڈیٹر روزنامہ انقلاب بمبئی۔ جناب شکیل بدایونی۔ شری رام سہائے پانڈے، شری او، این ورما۔ جناب یونس دہلوی مدیر ماہنامہ شمع دہلی۔ مس تیمہ طیب جی۔ جناب آغا جانی کاشمیری۔ مسز سعیدہ فاروقی مشہور فلم اسٹار سرینیدہ۔ شری پی۔ ایس ورما ملکرانی پور۔ پنڈت سدھاکر ڈکشت۔ شری سیتہ کام ودیا النکار ایڈیٹر "دھرم یگ" اور مسٹر حسین آرٹسٹ شریک تھے۔

دو سو پچاس روپے کا ایک انعام اور سو سو کے دو چھوٹے انعامات بھی تین دوسری نظموں پر دیے گئے۔ یہ نظمیں بھی اردو زبان ہی کی تھیں۔ شروع سے جلسے کی اعلیٰ معیار پر توضیح کی گئی۔ خود اعجاز صدیقی کی زبان سے ان کی نظم سنی گئی۔ حاضرین بے حد لطف اندوز اور متاثر ہوئے۔ متعدد فوٹو گروپ ہوئے جلسے میں انگریزی، ہندی اور اردو اخبارات کے نمائندے موجود تھے۔ اعجاز صدیقی سے طرح طرح کے سوالات کیے گئے۔ مسٹر ایلے پیر بھائی اس اجتماع کے منتظم تھے۔ "ووڈ ناس لمیٹڈ" کے ڈائریکٹر نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ اردو زبان کی اس عظیم کامیابی پر پورے ملک میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی ہے۔

اعجاز صدیقی کی نظم "سیریڈون ریڈیو فورنگ" سے نشر کی جائے گی۔

تذکرہ مولوی ذکاء اللہ

تعلیمی مرکز کراچی نے تذکرہ مولوی ذکاء اللہ شائع کی ہے۔ ذکاء اللہ کے حالات زندگی پہلی مرتبہ ان کے انگریز دوست سی۔ ایف اینڈریوز نے نہایت محنت اور کاوش سے لکھے ہیں۔ غدر کے آنکھوں دیکھے واقعات بھی اس میں آگئے ہیں اور دہلی کی قدیم تہذیب پر بھی سیر حاصل بحث آگئی ہے یہ کتاب گزشتہ ڈیڑھ سو سال کی دہلی کی تاریخ ہے کتاب کا ترجمہ ضیاء الدین احمد برنی نے کیا ہے۔ (بحوالہ کتابی دنیا)

حضرت جگر کا خیر مقدم

۲۹۔ جنوری کو رام پور حامد ہال میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلبہ نے اردو کے ممتاز شاعر حضرت جگر مرادآبادی کا یونین کے ایک خصوصی جلسے میں خیر مقدم کیا اور انھیں یونین کا حیاتی رکن بنایا۔ اس موقع پر حضرت جگر مرادآبادی نے ایک غزل سنائی۔

شوق سندیلوی کا انتقال

عبدالعلی شوق سندیلوی مولف "اصلاح سخن" کا ۱۸۔ جنوری کو انتقال ہو گیا۔ مرحوم کا دائرہ احباب بہت وسیع تھا۔

ایک رسم خط

کلکتے میں صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد نے بھارتیہ ہندی شکشا پریشد کے جلسہ تقسیم اسناد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہندستانی زبانوں کے لئے ایک ہی رسم خط ناگری ہونا چاہیے اس سے نہ صرف زبانوں کا مسئلہ حل ہوگا بلکہ جہالت بھی دور ہو سکے گی۔

جشن جمہوریت کا شاندار مشاعرہ

یوم جمہوریت کے سلسلے میں ایک عظیم الشان مشاعرہ سورگیہ لالہ دیش بندھو گپتا کی قیام گاہ، عنبرہ کیاش، روڈ نئی دہلی پر ایک شاندار وسیع پنڈال میں جو بجلی کی روشنی سے منور کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر سیف الدین صاحب کچلو کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ جناب منشی گوپی ناتھ صاحب امن چیرمین چیف کمشنر ایڈوائزری بورڈ نے شمع روشن کر کے مشاعرہ کا افتتاح کیا اور ایک مختصر مگر جامع تقریر میں اس قسم کے مشاعروں کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے سورگیہ لالہ دیش بندھو گپتا کی سیاسی اور ادبی خدمات کا تذکرہ کیا اور انھیں خراج عقیدت پیش کیا۔ اس مشاعرہ کی یہ خصوصیت تھی کہ اس میں ملک کے سرکردہ اور نامور شعرائے شرکت فرمائی۔ جناب جذبی، جناب جعفر سہارنپوری، جناب ادیب لکھنوی، علامہ منور لکھنوی، حضرت مانی جائسی، پروفیسر تلوک چند صاحب محروم، ہزاکسیلنسی ڈاکٹر اے حکمت سفیر ایران، جناب جگن ناتھ آزاد، محترمہ نکہت صاحبہ، محترمہ نسیم صاحبہ، مولانا انور صابری، مشیر جھنجھانوی، ساحر نظامی، پرواز میرٹھی، طالب دہلوی اور دیگر شعرائے اپنے کلام سے سامعین کو مستفید اور محظوظ فرمایا۔ مشاعرہ کے داعیان لالہ فتح چند نسیم، لالہ پریم شنکر فرحت، لالہ بھاگیرت مل رئیس، منشی گمبھیر کشور ماتھر، بابو سورج بہادر وکیل، شری وشو بندھو گپتا اور جناب وفا نے مہمانوں کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ جناب وفا نے اسٹیج سکریٹری کے فرائض انجام دیئے۔

لال قلعہ میں یوم جمہوریہ کا مشاعرہ

یوم جمہوریہ کے سلسلے میں لال قلعہ میں ایک شاندار ریڈیو مشاعرہ نائب وزیر ریلوے جنرل شاہ نواز کی زیر صدارت ہوا جس میں ہندوستان کے مشاہیر شعرائے شرکت کی۔

مشاعرہ کا آغاز ہندوستان کے آخری تاجدار اور جنگ آزادی کے بانی بہادر شاہ ظفر کی غزل سے ہوا جو شہریار پرواز نے پڑھی۔ اس موقع پر ایک مختصر سی تقریر کرتے ہوئے امن صاحب نے کہا کہ آج مشاعرہ کی صدارت کے فرائض ایک ایسے شخص کے سپرد کئے گئے ہیں جس پر اسی لال قلعہ میں بغاوت کا مقدمہ چل چکا ہے جس کی پیروی وزیر اعظم نہرو نے کی تھی اور وہ شخص پھانسی پانے کی بجائے آج اسی لال قلعہ میں مشاعرہ کی صدارت کے فرائض انجام دے رہا ہے۔

اپنی مختصر سی صدارتی تقریر میں جنرل شاہ نواز نے کہا کہ یوم جمہوریہ کی تقریبات میں یہاں اردو مشاعرہ کا اہتمام برمحل ہے کیونکہ اس چہار دیواری میں اردو اور جنگ آزادی دونوں نے جنم لیا۔ مشاعرہ کی کارروائی کا سلسلہ ۱۲ بجے رات تک ریڈیو پر، اور اس کے بعد بھی جاری رہا۔

---

۲۸ جنوری کو ۱۱ بجے دن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا جلسہ تقسیم اسناد پرو چانسلر جناب نواب صاحب چھتاری کی صدارت میں منعقد ہوا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے اپنا خطبہ پڑھا۔ اس موقع پر یونیورسٹی نے موصوف کو ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری پیش کی۔

(نامہ نگار)

غزل

درد حیات موت کا عنواں نہ ہو کہیں — خاموشیوں سے اور نمایاں نہ ہو کہیں
اے نامراد عشق ذرا یہ تو سوچ لے — تیرے لئے بھی کوئی پریشاں نہ ہو کہیں
پھولوں کو جس نے باغ میں ہنسنا سکھا دیا — وہ ان کا اک تبسم پنہاں نہ ہو کہیں
اظہار نشاط پہ دکھلا آج تک جو راز — وہ میرے آنسوؤں سے نمایاں نہ ہو کہیں
یوں میں قدم بڑھا نہ سکا راہ عشق سے — تیرا خلوص حسن نگہباں نہ ہو کہیں
اب ڈر یہ ہے کہ دیکھ کے میری تباہیاں — اپنے گریہ پر وہ پشیماں نہ ہو کہیں
ہم طالبان دید کی حیرت کا ذکر کیا — اپنے اثر سے حسن بھی حیراں نہ ہو کہیں

اب فصل گل سے نقش دھڑکتا ہے دل مرا
صبح چمن میں شام غریباں نہ ہو کہیں

ہریش چندر نقش

یونیورسٹی کا مشاعرہ

۲۹۔ جنوری کی رات مسلم یونیورسٹی یونین کی جانب سے ایک بزم مشاعرہ منعقد ہوئی جس میں اردو کے ممتاز شعرا نے حصہ لیا۔

حضرت جگرؔ مرادآبادی، پروفیسر آل احمد سرورؔ، روشؔن صدیقی، مسعود اختر جمال، وامقؔ جون پوری، فناؔ کان پوری، نشور واحدی، شمیم جے پوری۔ واقفؔ مرادآبادی اور دیگر شعرائے کرام نے شرکت فرمائی۔

مشاعرہ بڑی دلچسپی سے سناگیا۔ سامعین میں ڈاکٹر ذاکر حسین، نواب صاحب چھتاری، یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب بشیر حسین زیدی جناب بیگم قدسیہ زیدی اور یونیورسٹی کے اساتذہ بھی آخر تک تشریف فرما رہے۔

مشاعرے میں منتخب کلام سنایا گیا جس سے سامعین بہت متاثر ہوئے میرے حافظے نے صرف چند شعر یاد رکھنے میں یاوری کی جو درج ذیل ہیں۔

یہ کامیاب مشاعرہ ۱۲ بجے رات تک جاری رہا۔

آجاؤ کہ اب خلوتِ غم خلوتِ غم ہے
اب دل کے دھڑکنے کی بھی آواز نہیں ہے

کیا قحطِ محبت ہے کہ اس دورِ ہوس میں
دل بازیٔ ہستی میں کوئی جاں باز نہیں ہے
(جگرؔ مرادآبادی)

فقیہہ شہر سے کہدو کہ برحق کتابِ چہرۂ اصنام بھی ہے
(روشؔن صدیقی)

بڑھے جو رنج اسیری تو قید ہے کیا چیز
قفس میں پرورش بال و پر بھی ہوتی ہے (آل احمد سرورؔ)

ہر دور سے گزرا ہوں مسرت ہو کہ غم ہو
ہر راہ میں اک نقشِ قدم چھوڑ دیا ہے (فناؔ کانپوری)

آندھرا ریڈیو میں اردو پروگرام

حیدرآباد میں اردو پروگرام بند کر دیا گیا تھا۔ اب آل انڈیا ریڈیو کی پروگرام مشاورتی کمیٹی نے اپنے حالیہ جلسے میں غور کرتے ہوئے تجویز پیش کی ہے کہ اردو ادبی پروگرام پھر سے شروع کیا جائے۔

> ہماری زبان کا سالانہ چندہ تین روپے ہے۔ سنی آرڈر سے ہر آنے اور وی پی سے ہر آنے صرف آتا ہے۔

تمثیلی مشاعرہ

قومی آواز کی اطلاع ہے کہ لکھنؤ میں جشن جمہوریہ کے سلسلے میں میوزک کالج قیصر باغ کے میدان میں جمعہ کی رات کو ایک تمثیلی مشاعرہ ثقافت اطلاعات یوپی کی طرف سے ایک تمثیلی انجمن نیشنل کلچرل ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام ہوا۔

تمثیلی مشاعرہ، جو ایک ہی ہفتہ قبل شہر میں ایک دوسرے ادارے کے اہتمام میں پیش کیا جا چکا تھا۔ اس نئی پیش کش کے بعد موازنے کا شکار ہوگیا اور دونوں محفلوں میں حصہ لینے والوں کی عام رائے کے مطابق نیشنل کلچرل ایسوسی ایشن شاعروں کے روپ بنانے میں بہت پیچھے رہی اس بات کو اداکار شاعروں نے بھی افسوس کے ساتھ محسوس کیا۔

سامعین کے زبردست ہجوم نے تقریب کے نظم و ضبط پر بھی خراب اثر ڈالا اور اسٹیج سے قریب بیٹھنے والوں کے علاوہ باقی تماشائیوں کے لئے یہ تقریب بے رونق رہی۔

جن سنگھ کی زبان

انتخابات کے سلسلے میں جن سنگھ کے جنرل سکریٹری اٹل بہاری باجپائی صاحب نے لکھنؤ کی ایک پریس کانفرنس میں جن سنگھ کے انتخابی منشور سے جو ہندی میں تھا ایک عبارت پڑھی اس میں عوام کو توپیانے کی تفصیل بیان کی گئی تھی۔

اس پر ایک اخبار نویس نے کہا کہ جن کو آپ توپیانا چاہتے ہیں وہ تو اس عبارت کا مطلب ہی نہیں سمجھتے۔ اس کا جواب قہقہوں کی نذر ہوگیا جس میں باجپئی صاحب بھی شریک تھے۔ ط

خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے۔

برلن میں اردو

بمبئی کے مشہور فلمی رسالہ "فلم فیئر" نے اپنی ۲۱۔ دسمبر کی اشاعت میں فلم اسٹار مہتاب مودی کا ایک انٹرویو شائع کیا ہے۔ مہتاب مودی نے فرمایا کہ وہ جب برلن کے ایک ریستوران میں گئیں تو انھوں نے دیکھا کہ اس ریستوران کا مینو کارڈ انگریزی کے علاوہ اردو زبان میں بھی چھپا ہے۔ یہ اردو بھی کہاں پہنچی ہے۔

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میرؔ ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

اُردو ادب میں ڈاکٹر جان گلکرائسٹ کا مقام

(از پروفیسر ہیرالال چوپڑہ، اردو لیکچرار، کلکتہ یونیورسٹی)

اردو زبان کو انگریزوں کا ممنون ہونا چاہئے کہ ان کے زمانے میں اس کی باقاعدہ نشوونما کے وسائل پر غور کیا گیا، اور اسے فروغ دینے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مغلوں کے عہد میں اردو موجود ضرور تھی لیکن اس کی ترقی کے لئے کوئی خاص کوشش نہیں کی گئی تھی۔ ان کی درباری اور سرکاری زبان فارسی تھی اور حکومت اور عدالت کے تمام امور فارسی زبان میں ہی سرانجام دیئے جاتے تھے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے جب ہندستان میں اپنے تجارتی ادارے قائم کئے تو لازم تھا کہ ان اداروں میں کام کرنے والے متعدد افسروں کو یہاں کے عوام کی زبان سے واقفیت میسر ہوتی تاکہ وہ اپنے تجارتی منصوبوں میں کامیابی حاصل کر سکتے۔ عوام کی زبان سیکھنے کے لئے انگریزوں کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ہندوؤں کی چھوت چھات کے رسم و رواج انگریزوں کی قرابت کے واسطے ایک سدِراہ تھے اور مسلمان انگریزوں سے اس لئے برگشتہ تھے کہ وہ مسلمانوں ہی کے تاج کو غضب کر کے ہندستان میں اپنی سلطنت بڑھا رہے تھے۔

اس مرض کو انگلستان میں بیٹھے ہوئے جس طبیب نے تشخیص کیا اور جس نے اس کے علاج کے لئے دل سے کوشش شروع کی وہ مردِ مجاہد ڈاکٹر جان بارتھو گلکرائسٹ ایل۔ ایل۔ ڈی۔ ایف۔ آر۔ ایس۔ ای تھے۔

ہندستانی

وہ اڈنبرا (اسکاٹ لینڈ) میں ۱۷۵۹ء میں پیدا ہوئے۔ جارج ہیریٹ ہسپتال کی مشہور طبی درسگاہ میں تعلیم حاصل کر کے ۱۷۸۲ء میں بطور ڈاکٹر ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں داخل ہو کر بمبئی پہنچے، جہاں سے ایک سال بعد یعنی ۱۷۸۳ء میں کلکتہ بھیجے گئے۔ دورانِ قیام بمبئی ڈاکٹر گلکرائسٹ نے دیکھا کہ اردو زبان جس کو وہ "ہندستانی" کے نام سے یاد کرتے تھے۔ شمالی ہندستان کے عوام الناس کی زبان ہے اور انھوں نے اسے سیکھنا شروع کر دیا اور دو تین سال کی محنت ساقہ سے اس قدر استعداد بہم پہنچائی کہ وارن ہیسٹنگز کے متعلق گورنر جنرل سر جان میکفرسن نے ان کو ۱۷۸۵ء میں طویل رخصت دینا منظور کر لیا۔ یہ رخصت لے کر فیض آباد پہنچے اور وہاں بالکل ہندستانی طرزِ معاشرت اختیار کر کے اردو زبان کے تحقیقی مطالعہ میں منہمک ہو گئے۔ انھوں نے ہندو اور مسلمان ماہرینِ اردو سے مل جل کر اس زبان میں مہارتِ تامہ حاصل کی اور دہلی، لکھنؤ وغیرہ کا بھی دورہ کیا۔

اُردو گرامر

۱۷۹۸ء میں لارڈ ولزلی گورنر جنرل ہو کر ہندستان آئے۔ انھوں نے لندن میں کبھی ویسٹ انڈیا کمپنی کے دفاتر میں کام کیا تھا۔ لہٰذا انھیں اس کا پورا احساس تھا کہ ہندستان میں کام کرنے والے انگریز ملازموں کے لئے وہاں کی عام زبان کا جاننا نہایت ضروری ہے یہاں آکر ان کو ڈاکٹر جان گلکرائسٹ کی اسکیم سے مکمل اتفاق ہوا۔ ڈاکٹر گلکرائسٹ نے قواعدِ اردو اور لغت پر کتابیں لکھیں اور وہ یورپین ملازمین کو روزانہ اردو درس دیا کرتے تھے۔ لارڈ ولزلی نے ڈاکٹر گلکرائسٹ کے اس جذبۂ ترویجِ اردو اور بقائے سلطنت کے اس دور اندیشانہ اقدام کی قدر کی۔

کالج کی سالانہ روئدادوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حکام وقت کالج کی افادیت کے قائل تھے۔ چنانچہ ۱۸ اگست ۱۸۰۰ء کو ایک اجلاس میں مارکوئیس ولزلی گورنر جنرل نے ایک ایسے کالج کے اجرا کی ضرورت پر پرزور تقریر کی اور اس غرض کو مدِنظر رکھتے ہوئے اپریل ۱۸۰۱ء میں فورٹ ولیم کالج کی بنیاد رکھی اور ڈاکٹر جان گلکرائسٹ کو ہندستانی یعنی اردو کا پروفیسر نیز کالج کا صدر و پرنسپل مقرر کیا گیا

عام فہم زبان

ڈاکٹر گلکرائسٹ اس امر سے واقف تھے کہ نظام حکومت کے کاموں میں کبھی مستعدی نہیں آسکتی اگر منشی لوگ بھی تشبیہوں اور استعاروں کی الجھنوں میں جکڑے رہے اور یہ نئے ملازمین جن کو یہاں پر بہت کچھ کرنا تھا انہیں ہی تکلفات میں پڑ گئے تو حکومت کا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔ لہذا شاعرانہ تلمیحات اور مبالغہ آمیز تشبیہات و استعارات سے قطع نظر انھوں نے ایک ایسا نصاب درس مقرر کیا جس پر قدرت حاصل کرنے کے بعد تمام افسر زیادہ کارآمد اور مفید ہو سکتے تھے۔

ڈاکٹر گلکرائسٹ چونکہ خود تمام اردو مرکزوں کی سیر کر چکے تھے اس لئے ان کو قابل اساتذہ کے انتخاب میں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ انھوں نے ایسے باکمال ارباب قلم کو اپنے کالج میں جمع کیا جو فصیح ہونے کے علاوہ کارکن بھی تھے اس کالج میں صرف اساتذہ ہی ہندوستانی تھے لیکن پڑھنے والے تمام کے تمام سول اور فوجی محکموں کے یورپین افسران تھے۔ ان کو کورس پاس کرنے کے بعد آنرز کے سرٹیفکیٹ ملتے تھے اور ان کی تنخواہوں میں کچھ اضافہ ہو جاتا تھا۔ لہذا کالج کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔

اب اس سلسلہ میں یہ حیرت انگیز بات ڈاکٹر گلکرائسٹ کی وساطت سے رونما ہوئی کہ پہلا ہیڈ منشی جو اردو فارسی کے شعبے کا صدر مدرس تھا وہ ایک بنگالی ہندو ترنی چرن مشر تھا۔ جسے کالج کے قائم ہونے کے ایک ماہ بعد مئی ۱۸۰۱ء میں مقرر کیا گیا تھا اور اسی طرح ہندی کی اسامی کے لئے میر بہادر علی ایک مسلمان کو ستمبر ۱۸۰۱ء میں تعینات کیا گیا۔

(باقی)

انجمن کی چند کتابیں

۱۔	یادگار حالی	صالحہ عابد حسین	۴/۴ روپے
۲۔	انتخاب جدید	آل احمد سرور	۳/۰ "
۳۔	ذکر حافظ	سجاد ظہیر	۲/۴ "
۴۔	نقد غالب	نثار الدین احمد	۱۰/۰ "
۵۔	احوال غالب	" "	۹/۰ "
۶۔	قومی تہذیب کا مسئلہ	ڈاکٹر عابد حسین	۴/۰ "
۷۔	باپو کے قدموں میں	راجندر پرشاد	۱۵/۰ "

انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ

مراسلات

جناب ناصر کرنولی

آپ کی ادارت سے "ہماری زبان" کو جو نکھار بخشا ہے وہ روز روشن کی طرح ظاہر ہے۔ اس کو سنوارنا نہ صرف صوبائی شاخوں کا بلکہ اردو داں طبقے کا اہم فرض ہے آپ مطمئن رہیں اس کی اشاعت میں ہمارا تعاون عمل ضرور بہ ضرور شامل رہے گا۔

جناب غلام مہدی صاحب کشمیر

انتفاقاً پڑھوں پبلک لائبریری میں آپ کا پرچہ نظر سے گزرا۔ سچ پوچھئے تو اک نظر دیکھتے ہی متاثر ہوا۔ پرچہ خاصا ستھرا ہے اور اس میں شائع ہونے والا مواد ایک ادیب یا عام آدمی کے لئے مفید ثابت ہو سکتا ہے پرچے کی بہتری کے لئے میری نیک خواہشات آپ کے ساتھ رہیں گی۔ سالانہ قیمت مبلغ تین روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال کر رہا ہوں۔

ادبی اکاڈمی لکھنؤ

ادبی اکاڈمی لکھنؤ کا ایک اہم جلسہ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی صاحب کے مکان پر ہوا۔ جلسہ میں پروفیسر احتشام حسین، ڈاکٹر نذیر احمد، ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی، عبدالاحد خاں خلیل، چودھری نفیس احمد وکیل، شجاعت سندیلوی، محمد تقی صدیقی پرنسپل، محب علی پرنسپل، سلام سندیلوی، سخاوت علی صدیقی ایم اے، عرفان لکھنوی، نسیم احمد دانش محل، شجاعت علی صدیقی وغیرہ شریک تھے۔ سب سے پہلے اکیڈمی کے دستورالعمل پر غور کیا گیا۔

اکاڈمی کے ممبران بنائے جانے کے سلسلہ میں یہ طے پایا کہ وہی حضرات ممبر بنائے جائیں جو خود ادیب ہوں یا ادب سے کافی دلچسپی رکھتے ہوں لیکن اکاڈمی کی مجلس عاملہ اور لٹریری کمیٹی کو یہ اختیار ہے کہ وہ مخصوص ضروریات کے پیش نظر دوسرے مشاہیر ادب اور ماہرین فن سے بھی مشورہ کر سکتی ہے۔

اکاڈمی کے سہ ماہی ترجمان کا نام جائزہ منظور ہوا اور پہلا شمارہ انقلاب ۱۸۵۷ء کے حالات پر مئی ۱۹۵۷ء میں نکالا جائے گا۔

اکاڈمی کے قیام کے سلسلے میں ہندو پاک کے جن ادب نواز حضرات نے پرجوش خیر مقدم کیا اور اپنے اشتراک و تعاون کا یقین دلایا جلسے نے ان سب حضرات کا شکریہ ادا کیا۔

شجاعت علی سندیلوی جنرل سکریٹری

مرہٹی میں اردو ادب کا تعارف

(از جناب ایم۔ جی چودھری۔ کلیان)

جس طرح رام بابو سکسینہ کے سر انگریزی داں حضرات کو تاریخ زبان اردو ادب سے روشناس کرانے کا سہرا ہے بالکل اسی طرح من اردو شری پادجوشی صاحب کے سر مرہٹی داں حضرات کو اردو زبان و ادب کی تاریخ سے متعارف کرانے کا سہرا ہے۔

موصوف نے "اردو کے ادیب" نامی کتاب لکھ کر اپنی اردو دوستی کا بیّن ثبوت دیا ہے۔ اس سے پہلے بھی موصوف کے اردو سے متعلق تاثرات مرہٹی اخباروں میں اکثر شائع ہو چکے ہیں۔ اردو اگرچہ آپ کی مادری زبان نہیں ہے پھر بھی آپ نے جس جانفشانی کے ساتھ اس زبان کے ادب کی تحقیق کر کے جو مفید ذخیرہ جمع کیا ہے وہ یقیناً قابلِ تحسین ہے۔

ذیل کا مضمون مشہور مہاراشٹرین تبصرہ نگار شری لکشمی داس بورکر کے اس ریویو کا ترجمہ ہے جو موصوف نے "اردو کے ادیب" نامی کتاب پر مہاراشٹر کے کثیر الاشاعت مرہٹی اخبار روزنامہ "لوک ستا" میں شائع کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:۔

اکثر دلوں میں ہندی، ہندستانی کانٹے کی طرح کھٹک رہی ہے اور اردو کے متعلق ان کا خیال ہے کہ جب اردو کے لئے پاکستان بن گیا تو پھر بھارت میں اردو کیوں؟ یہ سوال غصہ کی حالت میں قابو سے باہر ہو کر وہ کر بیٹھتے ہیں مگر انہیں کیا معلوم کہ اردو بھارت ہی کی ایک زبان ہے اس کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔ اس اہم مقصد کو ان کے دماغوں میں ٹھونسنے کے لئے "اردو کے ادیب" نامی کتاب بہت نمایاں کام انجام دے گی۔

اردو میں عربی، فارسی اور ہندی میں سنسکرت کے لفظ زیادہ ہیں۔ آج کل سنسکرت سے پُر ہندی رائج کرنے کی منظم کوششیں ہو رہی ہیں سنسکرت لفظوں پر زیادہ توجہ دینے سے ہندی کو عوامی زبان کا آج جو منصب حاصل ہے وہ کھو دے گی۔ اور ہندی زبان خاص ماہرینِ السنہ کی میراث ہو کر رہ جائے گی اس کے برعکس ہندستانی میں اردو لفظوں کو مساویانہ حقوق حاصل ہیں اس لئے ہمیشہ گاندھی جی بھی ہندستانی کے ہی گن گایا کرتے تھے۔ اس نظریہ کے تحت بھی اردو زبان سیکھنا نہایت ضروری ہے۔ اس لئے نہیں کہ اردو صرف بھارت کی ایک زبان ہے بلکہ اس لئے کہ اس کا ادب نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے اس لئے اس کی قدر و منزلت کرنا چاہئے۔

زبان کے سلسلے میں سیاست کو نہ لاتے ہوئے اگر اردو زبان کی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اردو زبان کی اہمیت و وقعت واضح ہو سکتی ہے۔ پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ اردو زبان میں اپنے خیالات کو صاف طور پر ظاہر کرنے کی صلاحیت ہے یا نہیں۔ مثال کے طور پر سنسکرت لفظ "سماچار" کی جگہ اردو لفظ "خبر" ذیل کے جملوں میں کتنا موزوں اور مناسب معلوم ہوتا ہے؟ اس کا فیصلہ آپ خود ہی کر سکتے ہیں۔

(۱) تمہیں کچھ خبر بھی ہے؟ (۲) ان کی خوب خبر لی گئی (۳) وہ بے خبر سو رہا ہے ان تینوں جملوں میں خبر کی بجائے اگر سنسکرت لفظ "سماچار" استعمال کیا جاتا تو وہ جملے بے معنی ہو کر رہ جاتے اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے۔ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کر زندہ زبان چھوڑ دینا مصلحت کے خلاف ہے۔ جوشی صاحب نے زندہ جاوید ادیب و شاعروں کی ایک سلک مروارید پیش کی ہے امیر خسرو اردو زبان کے پہلے شاعر ہیں ان کا مقام پیدائش پٹیالی ضلع ایٹہ شمالی ہندستان میں ہے۔ امیر خسرو جس طرح فارسی کے اچھے شاعر مانے جاتے ہیں اسی طرح ہندی کے بھی عمدہ شاعر مانے جاتے ہیں۔

ابتدا میں ہندی فارسی رسم خط میں لکھی جاتی تھی اور مسلمان بادشاہوں کے دربار میں بولی جاتی تھی۔ ہندی اور اردو ادیبوں کے خیالات پر فارسی زبان کے اثرات کی یہی خاص وجہ تھی۔ اردو ادیب (SENTENCE MINDED) ہیں وہ ایک ایک دو دو مصرعوں میں اپنے خیالات کا اظہار بہ آسانی کر سکتے ہیں ؎

خسرو رین سہاگ کی جاگی پی کے سنگ
تن میرو من پی او کو دوؤ بھئے اک رنگ

اردو ادب میں نثر سے زیادہ نظم گوئی کا رواج ہے۔ میر نامی شاعر کا یہ شعر مشہور ہے۔

خوگر نہیں ہم یونہی کچھ ریختہ گوئی کے
معشوق تھا جو اپنا باشندہ تھا دکن کا

اس دور میں مرزا غالب کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

ریختہ کے تمہیں استاد نہیں ہو غالب
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

اردو بیجاپور اور گولکنڈہ ان دو حکومتوں میں پلی اور پوسی گئی۔ گولکنڈہ میں محمد قلی قطب شاہ، عبداللہ، ولی اورنگ آبادی اور سراج ان ادیبوں نے جنم پایا۔ حکومت بیجاپور میں قاضی محمود یہ شاعر تھے۔ گورکھپوری نے بھی قیمتی ادب پیش کیا دلی کے شاہی ادبا میں حاتم، آرزو، آبرو، مظہر، شیخ شرف الدین، مجنوں وغیرہ مشہور ہوئے ہیں۔ اردو شاعری کے سنہرے دور کی ابتداء اور مغلیہ دور حکومت کے زوال کو ناطہ دونوں یکساں شروع ہوئے۔ اردو شاعری کو بام ثریا پر پہنچانے میں میر و سودا کا خاص مقام ہے۔ درد، سوز حسن نے بھی شاعری کا کمال دکھایا مگر وہ صرف غزل ہی میں مشہور تھے۔ وسط زمانہ میں اردو ادب میں ایک طرح کا جمود سا محسوس ہونے لگا تھا۔ لیکن ایک دفعہ روشن کی ہوئی شمع روشن رکھنے کے لئے غالب، ذوق، مومن جیسے باکمال شاعر آگے بڑھے۔ غالب نے سب سے پہلے شعر میں خیالات کی بلند پروازی لاکر حالات کو کھلے طور پر پیش کیا وہ آزاد خیال بھی واقع ہوئے تھے صاف گو بھی ان کے اس شعر سے ان کی صاف گوئی کا اظہار ہوتا ہے ؎

غالب برا نہ مان جو واعظ برا کہے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

انگریزی دور حکومت میں نئی طرز کے شاعر اور ادیب پیدا ہوئے ظفر، حالی، آزاد، سرسید یہ ادبا و شعراء اردو ادب کو نئے بہاؤ کی طرف بہائے گئے جنھوں نے نیا ادب پیدا کیا آج وہ حیات نہیں ہیں ان میں اکبر الہ آبادی، برج نارائن چکبست، اقبال بیسویں صدی کے یہ تین ادیبوں نے اردو ادب کے مسند پر سنہرا کلس آویزاں کیا۔ موت سے پیشتر اکبر کے کہے ہوئے اس شعر سے ان کی وطن دوستی کا جذبہ معلوم ہو سکتا ہے ؎

مرتوئی گورنمنٹ اکبر اگر نہ ہوتا
اس کو بھی آپ پاتے گاندھی کی گوپیوں میں

پنڈت برج نارائن چکبست نے صحیح معنوں میں اردو میں قومی شاعری کی ابتداء کی ان کی شاعری میں جگہ جگہ تحریک آزادی پر لوگوں کو ابھارنے کا سبق ملتا ہے۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال کا قومی ترانہ

"سارے جہاں سے اچھا ہندستاں ہمارا"

بحیثیت قومی گیت کے ۱۹۴۷ء تک بھارت کی گلی کوچوں میں پڑھا جاتا تھا اور آزادی کے بعد بھی اسی ترانہ کو قومی گیت کا مقام دیئے جانے کا امکان تھا۔ برق دہلوی، فانی بدایونی، منی لکھنوی، سیماب اکبرآبادی، فراق گورکھپوری، جگر مرادآبادی احسن لکھنوی، فیض، مجاز، علی سردار جعفری، مخدوم یہ مشہور ہیں اور اردو نثر کی ترقی میں میر امن دہلوی، افسوس، منشی نہال چند، سرسید احمد خاں، حالی، نذیر احمد، شبلی، نواب محسن الملک، مولانا ذکاء اللہ، پروفیسر رام چندر، ڈاکٹر بجنوری، مولانا آزاد اور غلام امام شہید نے نمایاں حصہ لیا مگر اردو ادب میں نثر سے زیادہ نظم کا حصہ ہے۔

نصری پاد جوشی نے مہاراشٹرین مصنف ہونے کے باوجود بھی اردو ادب کی اتنی اچھی تاریخ لکھی ہے اس پر ان کو جتنی مبارکباد دی جائے کم ہے۔

بقیہ رفتار

ابھی حال میں ڈاکٹر رام بابو سکسینہ نے میر کی چار مثنویاں دریافت کی ہیں جو ان کے اپنے قلم سے ہیں۔ ان مثنویوں کا عکس آرٹ پیپر پر کتابی صورت میں دہلی کے دھومی مل دھرم داس نے شائع کیا ہے جس پر مولانا ابوالکلام آزاد کا مقدمہ بھی ہے۔ سکسینہ صاحب نے میر کی ایک مستند تصویر بھی دریافت کی ہے۔

پروفیسر آل احمد سرور نے میر پر چھ سات مقالے لکھے ہیں اور ان کے فن کے مختلف پہلوؤں کو جدید تنقیدی زاویوں سے دیکھا ہے۔ یہ سارے مقالے ابھی غیر مطبوعہ ہیں کتابی صورت میں شائع ہو جائیں تو شاید یہ بہت سی ضخیم کتابوں کی کمی کو پورا کردیں۔

تازہ ترین اطلاع یہ ہے کہ خورشید الاسلام صاحب "ذکر میر" کو اردو میں ترجمہ کر رہے ہیں اور مع مقدمہ و حواشی کے شائع کرنے والے ہیں۔ اور یہ بھی کہ علی گڑھ میگزین بھی جلد ہی ایک "میر نمبر" شائع کر رہا ہے۔

امید ہے اردو تنقید اب کچھ دنوں میں اس قابل ہو سکے گی کہ وہ اپنے اس محبوب شاعر کا حق ادا کر سکے۔

(اطہر پرویز پرنٹر پبلشر نے نیشنل پرنٹرس کمپنی میں چھپوا کر مرکزی انجمن علی گڑھ سے شائع کیا)